QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

عمل اہل کوفہ یا عمل اہل عراق: فقہ حنفی کے اصولی ماخذ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

The Practice of the People of Kufa (Iraq): A Forgotten but Significant Source of Ḥanafī Legal Theory

رشید احمد: پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر احسان الرحمن غوری: ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

Abstract

The science of Islamic jurisprudence (Fiqh) has always played a central role in shaping Muslim intellectual and practical life. Among its multiple sources, the practice of the people of Kufa, commonly referred to as "ʿAmal Ahl al-Kūfa" or "ʿAmal Ahl al-ʿIrāq," holds a unique position in the methodology of the Ḥanafī school. Unfortunately, this source has not received due attention in contemporary legal discourse and has often been overshadowed by more widely discussed principles such as qiyās (analogy), istihsān (juristic preference), and istiṣlāḥ (public interest). Historically, Kufa was a hub of knowledge, hosting prominent Companions of the Prophet ﷺ and their successors, who transmitted a large body of practical rulings rooted in the lived Sunnah. The Ḥanafī jurists considered these practices not merely local customs but reflections of a collective understanding derived from Prophetic traditions and the consensus of senior Companions. This paper aims to re-examine the role of ʿAmal Ahl al-Kūfa in Ḥanafī jurisprudence, highlighting its epistemological basis, methodological significance, and comparative relevance with "ʿAmal Ahl al-Madīnah" as emphasized in Mālikī jurisprudence. It also addresses why this principle gradually receded from prominence in later centuries, despite its foundational role in the early development of the Ḥanafī legal tradition. Finally, the study proposes that revisiting this neglected principle can enrich contemporary Fiqh studies and provide new dimensions for modern applications of Islamic law.

Key Words :*Fiqh, Ḥanafī School, ʿAmal Ahl al-Kūfa, Usūl al-Fiqh, Companions of the Prophet ﷺ, Legal Methodology*

تعارفِ موضوع

اسلامی علوم میں فقہ کو ہمیشہ نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ فقہ کی اصطلاحی تعریف کے مطابق یہ علم مکلف انسان کے افعال پر شرعی احکام جاننے کا نام ہے، جو کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے اخذ ہوتے ہیں۔ تاہم فقہائے کرام نے ان کے ساتھ ساتھ بعض اور اصولی ماخذات کو بھی تسلیم کیا ہے جن میں عملِ اہلِ مدینہ اور عملِ اہلِ کوفہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ عمل اہل کوفہ یا عمل اہل عراق سے مراد وہ عملی اور اجتماعی فقہی روایت ہے جو صحابہ کرامؓ اور تابعین کے ذریعہ عراق کے علمی مرکز کوفہ میں پروان چڑھی۔ یہاں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور دیگر اکابر صحابہ نے اپنے شاگردوں کو براہِ راست تعلیم دی، جنہوں نے ان کے اجتہادات کو زندہ رکھا۔ فقہ حنفی کے اصول میں عمل اہل کوفہ کی حیثیت بنیادی ماخذ کی سی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ نے اسے کثرتِ روایات، عملی تعامل اور صحابہ کرام کی اجتماعی بصیرت کی بنا پر معتبر ماخذ قرار دیا۔ مگر بعد کے فقہی واصولی

مباحث میں یہ عنصر نسبتاً نظر انداز ہو گیا۔ اس تحقیقی مطالعے میں ہم عمل اہل کوفہ کی علمی بنیاد، تاریخی پس منظر اور فقہ حنفی میں اس کی افادیت پر روشنی ڈالیں گے۔

علم فقہ کی ضرورت اہمیت

فقہ کا لفظ قرآن حدیثِ نبوی ﷺ میں سمجھ بوجھ اور فہم و فراست کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ يُرِدِ اللّٰه بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ"۔ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہوتا ہے۔ اور اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ عابد کی عبادت بلا بصیرت ہوتی ہے، شیطان کا اسے گمراہ کرنا آسان ہوتا ہے؛ جب کہ فقیہ اس کی سازشوں سے باخبر ہونے کی وجہ سے اس کی مکاریوں میں نہیں آتا،

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں: شرعی اصطلاح میں "فقہ" کا لفظ فہمِ علمِ دین کے حصول کے لیے مخصوص ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ فقہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الفقه : معرفة النفس، مَالَهَا وما عليها[1]۔ اور علم فقہ کسی نفس کے جملہ حقوق اور فرائض اور واجبات جاننے کا نام ہے۔ عموما فقہا کرام فقہ کی اصطلاحی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: العلم بالأحكام الشرعية العملية من أدلتها التفضيلية۔ علم شریعت کے عملی اور فروعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سمیت جاننے کا نام علم فقہ ہے۔ اور اس جملے میں "احکام شرعیہ" سے مکلف کے افعال پر شریعت کی جانب سے جو حکم اور اثرات مرتب ہوں وہ سب مراد ہوتے ہیں، جیسے کسی عمل کا فرض، واجب، مستحب، مباح یا حرام و مکروہ ہونا وغیرہ اور اس جملے میں ان کے "تفصیلی دلائل" کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کس دلیل شرعی پر مبنی ہے، کتاب اللہ پر، سنت رسول پر، اجماع پر یا قیاس پر وغیرہ؛ اسی طرح حکم اور دلیل کے درمیان رابطہ کو جاننا، یہ سب علم فقہ میں شامل ہے۔

علامہ ابن خلدون نے فقہ کی تعریف میں لکھا ہے: مکلفین کے افعال کو احکام الٰہی کی حیثیت سے جاننا علم فقہ ہے کہ وہ واجب ہیں یا محظور، ممنوع و حرام، مستحب اور مباح ہیں یا مکروہ۔[2]

عظمت علم فقہ:

علم فقہ میں زیادہ تر مسائل معاشرت سے اور کچھ مسائل عبادات کے زمرے میں آتے ہیں اور عبادات کے معاملے فقہائے کرام کا اتفاق ہے یہ توقیفی ہیں اور لہذا فقہائے امت نے معاشرتی مسائل کی تدوین اور عبادات کی تنسیق بطریق احسن انجام دے دی ہے چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں: "الفقة أشرف العلوم قدراً وأعظمها أجرا وأتمها عائدة وأعمها فائدة وأعلاها مرتبه يملا العيون نوراً والقلوب سروراً

[1] ۔۔ الاشباہ والنظائر ص ۵ ج ۱

[2] ۔۔ المقدمہ ابن خلدون ص ۶۰ ج ۱

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

والصدور انشراحاً"[3]یعنی علم فقہ تمام علوم میں قدر و منزلت کے اعتبار سے اشرف ہے، اجر کے اعتبار بلند تر، رسائی کے لحاظ سے آسان فائدے کے لحاظ سے عام، اپنے مقام ورتبہ کے اعتبار سے بہت بلند اور آنکھوں کو جلا بخشنے والا، دل کے لئے باعث سرور اور انشراح صدر کا ذریعہ ہے۔ اور علامہ حصکفی فرماتے ہیں:"وخیرعلوم علم فقه ؛لانه یکون الی العلوم توسلاً ؛

وخيرُ علومٍ ، علم الفقه لأنه	يكونُ إلى كلّ العلــومِ توسّــلا
فـان فقيها واحداً متورعـاً	على ألف ذی زهد تفضل واعتلىٰ
تفقه فان الفقه أفضل قائد	الى البر والتقوىٰ وأعدل قاصـد
وكنّ مستفيداً كلّ يوم زيادةً	من الفقه واسبح فی بحور الفوائد
فـإن فقيها واحدا متورعـاً	أشد على الشيطان من ألف عـابد"[4]

یعنی علم فقہ تمام علوم سے قدر و منزلت میں سب سے بہتر ہے، کیونکہ علم فقہ، تمام علوم تک رسائی کا بہترین وسیلہ ہے، اور اسی وجہ یہ ہے کہ ایک متقی پرہیز گار فقیہ، ہزار زاہدوں پر فضیلت رکھتا ہے اور ان پر بھاری ہے، علم فقہ حاصل کرنا چاہیے، کیونکہ علم فقہ نیکی اور تقویٰ کی طرف رہنمائی کرنے میں بہترین راہنما ہے، اور ہر دن علم فقہ سے مستفید ہونے میں تجھے لگا رہنا چاہئے، اس کے سمندر میں غوطہ زنی کرتے ہوئے فوائد کے حصول میں لگا رہنا چاہیے، کیونکہ اکیلا فقیہ جو پرہیز گار ہو، شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔

فقہ اور عہدِ نبوی ﷺ: اسلامی معاشرت کی تکوین میں اولین کام نبی اکرم ﷺ کا تھا اور آپ کا ماخذ اصلی اللہ تعالی کی وحی قرآن کی صورت میں تھی نانچہ ارشاد ربانی ہے[ومایںطق عن الهویٰ ن هو إلا وحي يوحی[5]]یعنی آپ کا کوئی بھی کلام کرنا اپنی من مرضی کی بجائے وحی الہی پر ہوتا ہے، اور اسی وحی الہی کی تدوین سے علم حدیث کی بنیاد پڑتی ہے گویا ان دونوں ذرائع میں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید میں الفاظ و معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور حدیث میں الفاظ اور تعبیر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے؛ چنانچہ عہدِ نبوی میں احکامِ فقہیہ کا مدار انہی دو بنیادوں کتاب وسنت پر تھا۔ اور ان میں سے علم حدیث رسول اللہ ﷺ کے تمام معاملات و مسائل اور اجتہادات و فتاوی سبھی کو شامل ہے۔

صحابہؓ کرام اور علم فقہ: آپ ﷺ کی زندگی میں اور آپ کی عدم موجودگی میں صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں فن اجتہاد سے بھرپور استفادہ کیا، کیونکہ خود آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ اگر قرآن وحدیث میں حکم نہ ملے تو اجتہاد سے کام لے لینا[6]، اور صحابہؓ نے آپ کے ارشاد پر خود بھی عمل کیا، مثلاً حضرت علی کے پاس یمن میں ایک لڑکے کے سلسلہ میں تین دعویدار پہنچے، حضرت علیؓ نے پہلے تو ہر ایک کو راضی کرنے کی کوشش کی کہ وہ دوسرے کے حق میں دستبردار ہو جائے؛ لیکن جب کوئی اس پر آمادہ نہ ہوا تو قرعہ اندازی کرکے جس

---

[3] ۔۔ الاشباہ والنظائر ص ۲۱ ج ۱

[4] ۔۔ در مختار ص ۱۴ ج ۱

[5] ۔۔ سورۃ النجم: ۴۳

[6] ۔۔ مسند احمد

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

کے حق میں قرعہ نکلا اس کو لڑکا حوالہ کر دیا اور باقی دونوں سے کہا کہ وہ دونوں کو ایک ایک تہائی دیت ادا کرے": ومن حکم باجتهاده" اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی عدم موجودگی میں متعدد صحابہ کرامؓ کے اجتہاد و واقعات موجود ہیں۔

فقہ اور خلافتِ راشدہ: خلفائے راشدین کا دور اور ان کی تعلیمات جو درحقیقت تکمیل نبوت کا بنیادی حصہ تھیں جن کی تخصیص فرمان نبوی ((عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين)) تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت اختیار کرنا لازم ہے، سے ثابت ہوتی ہے، اس میں احکامِ شریعت کے اخذ و استنباط یا تعین و تدوین کا بنیادی ماخذ کتاب اللہ اور سنۃ نبویہ کے علاوہ اجماعِ صحابہ جو اجماع اُمت کے نام سے معروف تھا، اور ان کے طرز عمل میں قیاس شرعی کو خاص اہتمام حاصل تھا؛ چنانچہ حضرت عمر نے قاضی شریح کو جو خط لکھا، جس میں نصیحت فرمائی: "جب کتاب اللہ میں کوئی حکم پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کرو، کسی اور طرف توجہ نہ کرو؛ اگر کوئی ایسا معاملہ سامنے آئے کہ کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ہو، تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو؛ اگر کتاب اللہ میں نہ ملے اور نہ سنتِ رسول میں، تو جس بات پر لوگوں کا اجماع ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو، نہ کتاب اللہ میں ہو، نہ سنتِ رسول میں اور نہ تم سے پہلوں نے اس سلسلہ میں کوئی رائے ظاہر کی ہو، تو اگر تم اجتہاد کرنا چاہو تو اجتہاد کے لیے آگے بڑھو اور اس سے پیچھے ہٹنا چاہو، تو پیچھے ہٹ جاؤ اور اس کو میں تمھارے حق میں بہتر ہی سمجھتا ہوں" چنانچہ خلفائے اربعہ کے علاوہ حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود علی اور عبداللہ بن عباس زید بن ثابت حضرت ابی بن کعبؓ نے اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل کیا اور ان کے عمل آج تک امت میں متوارثاً چلے آرہے ہیں۔

صحابہ کرام کا طرز عمل: صحابہ کرام فروعی مسائل میں اختلاف رائے کو برا نہیں سمجھتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے، مسائل شرعیہ میں ایک دوسرے کی اقتداء کرتے تھے؛ اگر کوئی سائل ہوتا تو ایک دوسرے کے پاس تحقیق مسئلہ کے لیے بھیجتے تھے اور خود شدت نہ اختیار کرتے تھے، حضرت عمرؓ سے ایک صاحب ملے اور حضرت علیؓ اور زید بن ثابتؓ کا فیصلہ انھیں سنایا، حضرت عمرؓ نے سن کر کہا: کہ اگر میں فیصلہ کرتا تو اس کے برخلاف اس طرح کرتا، ان صاحب نے کہا کہ آپ کو تو اس کا حق اور اختیار حاصل ہے؛ پھر آپ اپنی رائے کے مطابق فیصلہ فرمادیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس اللہ، رسول کا حکم ہوتا تو میں اس کو نافذ کر دیتا؛ لیکن میری بھی رائے ہے اور رائے میں سب شریک ہیں؛ چنانچہ انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے فیصلہ کو برقرار رکھا: "والرأى مشترك فلم ينقص ماقال على وزيد"۔[36]

فقہا صحابہ کے مابین فکری تنوع: اسلامی تہذیب و معاشرت کی بنیاد سازی میں اہم ترین کردار ادا کرنے والی جماعت حضرات صحابہ کرام تھے اور انہوں نے جو دین نبی اکرم ﷺ سے حاصل کیا اس میں اپنی تعداد اور مزاج کے اختلاف کی وجہ سے معاشرت میں تنوع پیدا ہوا اور اس میں کئی وجوہات اور اسباب تھے

* بعض اوقات صحابہ کرام کے مابین قرآن و حدیث کے کسی لفظ میں ایک سے زیادہ معنوں کے احتمالای وجہ سے فکری تنوع پیدا ہوا
* بعض اوقات صحابہ کے کسی حدیث کی سماعت و عدم سماعت کے لحاظ سے تنوع پیدا ہوا
* بعض اوقات حضور ﷺ کے کسی عمل کا مقصد و منشا متعین کرنے، طبعی فعل یا سنت دینی یا امر ربانی قرار دینے میں فکری تنوع ہوا

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

* بعض اوقات صحابہ کرام کے مابین ذوق طبعی اور طریقہ استنباط مسائل کے فرق سے تنوع پیدا ہوا،
* بعض اوقات صحابہ کرام کا حدیث کے ظاہری الفاظ پر قناعت کے لحاظ سے فکری تنوع ہوا،
* بعض اوقات صحابہؓ کرام کے مابین حدیث کے مقاصد ومنشا پر نظر کرنے سے فکری تنوع ہوا
* بعض اوقات صحابہ کے مزاج میں فقاہت واجتہادی خصائص کی وجہ سے فکری تنوع پیدا ہوا
* بعض اوقات صحابہ کرام کے مابین بعض اختلافی مسائل کی توجیہات بھی فکری تنوع کا سبب بنے

چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے ان صحابہ کا ذکر کیا ہے جن سے فتاویٰ منقول ہیں، پھر ان سے وہ جن سے بہت زیادہ فتاویٰ منقول ہیں، ان کی تعداد سات ہے، جبکہ بیس صحابہؓ متوسطین میں شمار کیے گئے ہیں، جن سے بہت زیادہ نہیں بقیہ صحابہ وہ ہیں جن سے ایک دو مسئلہ میں فتویٰ دینا منقول ہے [7]

علم فقہ اور دور بنو امیہ: یہ تدوین فقہ کا مرحلہ حضرت معاویہؓ کی امارت سے شروع ہوتا ہے اور بنو اُمیہ کی حکومت کے خاتمہ کے قریبی زمانہ تک کا احاطہ کرتا ہے، اس عہد میں بھی بنیادی طور پر اجتہاد واستنباط کا وہی منہج رہا جو صحابہ نے اختیار کیا تھا، اس عہد کی چند خصوصیات قابل ذکر ہیں:

1. اس دور میں فقہا صحابہ کسی ایک شہر میں مقیم نہیں رہے؛ بلکہ مختلف شہروں میں مختلف صحابہؓ کا ورود ہوا، وہاں کے مزاج اور احوال زمانہ کے مطابق لوگوں نے ان سے استفادہ کیا اور اس شہر میں ان کی آراء اور فتاویٰ کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی، ان میں دو شہر خاص طور سے قابل ذکر ہیں پہلا مدینہ منورہ، اور دوسرا کوفہ تھا ان شہروں میں صحابہ کرام سے استفادہ کرنے والے تابعین کثیر تعداد میں تھے،
2. صحابہ کرام اور فقہائے عظام اور تابعین اعلام کے مختلف شہروں میں مقیم ہونے کی وجہ سے فقہی مسائل میں اختلافات کی بھی کثرت ہوئی؛ کیونکہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں اہل علم یکجا تھے، ایک دوسرے سے قریب تھے، جس کی وجہ سے بہت سے مسائل میں اتفاق رائے ہو جاتا تھا، اب عالم اسلام کا دائرہ وسیع ہو جانے، دراز شہروں میں مقیم ہونے اور ذرائع ابلاغ کے مفقود ہونے کی وجہ سے اجتماعی اجتہاد کی جگہ انفرادی اجتہاد کا غلبہ تھا، مختلف شہروں کے حالات، رواجات، کاروباری طریقے اور لوگوں کے فکری و عملی رجحانات بھی مختلف تھے، اس اختلاف کا اثر مختلف شہروں میں بسنے والے فقہا کے نقطہ نظر پر بھی پڑتا تھا؛ اس لیے بمقابلہ گذشتہ ادوار کے، اس دور میں اختلافِ رائے کی کثرت ملتی ہے۔

تدوین فقہ میں نوعی مناہج: صحابہ کرام میں دونوں طرح مناہج کے حامل فقہا پائے جاتے تھے، ایک وہ جن کی نگاہ حدیث کے ظاہری الفاظ پر ہوتی تھی، دوسرے وہ جو معانی حدیث کے غواص تھے اور احکامِ شرعیہ میں شریعت کی مصالح اور لوگوں کے احوال کو بھی پیشِ نظر رکھتے تھے، تابعین کے عہد میں یہ دونوں طریقہ اجتہاد اور ان کے طرزِ استنباط کا تفاوت زیادہ نمایاں ہو گیا، جو لوگ ظاہر حدیث پر قانع تھے وہ "اصحاب الحدیث" کہلائے اور جو نصوص اور ان کے مقاصد ومصالح کو سامنے رکھ کر رائے قائم کرتے تھے وہ "اصحاب الرائے" کہلائے، اصحاب الحدیث کا مرکز مدینہ تھا اور اصحاب الرائے کا مرکز عراق، اور خاص طور پر عراق کا شہر کوفہ، گو مدینہ میں بعض ایسے اہل علم موجود تھے، جو اصحاب الرائے کے طریقہ استنباط سے متاثر

[7] ۔۔ اعلام الموقعین ۱۴۲ج ۲

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

تھے، جیسے امام مالکؒ کے استاذ ربیعہ بن عبد الرحمنؒ، جو اصحاب الرائے کے طرزِ استنباط میں ماہر ہونے سے "ربیعۃ الرائی" مشہور تھے، اور "رائی" ان کے نام کا جزو بن گیا؛ اسی طرح کوفہ میں امام عامر بن شراحیل الشعبیؒ جو امام ابو حنیفہؒ کے اساتذہ میں ہیں؛ لیکن ان کا منہج اصحاب الحدیث کا تھا۔

اصحاب الرائے والحدیث کا منہج: اصحاب الرائی اور اصحاب الحدیث کے درمیان دو اُمور میں نمایاں فرق تھا،

1. ایک یہ کہ اصحاب الحدیث کسی حدیث کو قبول اور رد کرنے میں محض سند کی تحقیق کو کافی سمجھتے تھے، بلکہ اس کے خارجی وسائل سے کام نہیں لیتے تھے،
2. اصحاب الرائے اُصولِ روایت کے ساتھ اُصولِ درایت کو بھی ملحوظ رکھتے تھے،
3. اصحاب الرائے حدیث کو سند کے علاوہ اس کے قرآن کریم کے مضمون سے ہم آہنگ ہونے یا نہ ہونے پر بھی غور فرماتے تھے،
4. اصحاب الرائے میں دین کے مسلمہ اُصول اور مقاصد کے موافق ہونے یا نہ ہونے کو بھی پیش نظر رکھتے تھے
5. اصحاب الرائے مضمون حدیث میں یہ بھی دیکھتے کہ دوسری مشہور حدیثوں سے متعارض تو نہیں ہے؟
6. اصحاب الرائے یہ بھی دیکھتے تھے کہ صحابہ کا اس حدیث پر عمل تھا یا نہیں؟

اصحاب الرائی وحدیث کا فرق: حقیقت یہ ہے کہ اصحاب الرائی کا منہج درست ہونے کے ساتھ دشوار تھا؛ جبکہ اصحاب الحدیث کا منہج سہل تر تھا لیکن حل مسائل میں ناکافی تھا، کیونکہ اصحاب الحدیث مسائل کے حل کرنے میں ظاہر حدیث سے تجاوز نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات ان سے کسی نئے میں رائے دریافت کی جاتی حدیث میں اس کا ذکر نہ ہونے کی بنا پر جواب دینے سے انکار کر دیتے،[8] لیکن سوال ہے کہ کیا ایسے طریقے سے اُمت کی رہنمائی کا حق ادا ہو سکتا ہے؟ اصحاب الرائی نہ صرف یہ کہ جن مسائل جدیدہ میں مصالح شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہاد کرتے تھے، گویا اصحاب الرائی کا کام بمقابلہ اصحاب الحدیث کے زیادہ دُشوار تھا اسی لیے متقدمین کے یہاں "اصحاب الرائی" میں سے ہونا ایک قابل تعریف وباعث مدح بات سمجھی جاتی تھی، حجاز کا مرکز اصحاب الحدیث اور عراق کا مرکز اصحاب الرائی کا مرکز بننا کوئی اتفاقی امر نہیں تھا، بلکہ اس کے چند بنیادی عوامل تھے:

1. اوّل یہ کہ حجاز عرب تہذیب کا مرکز تھا، عرب اپنی سادہ زندگی کے لیے مشہور رہے ہیں، ان کی تہذیب میں بھی یہی سادگی رچی بسی تھی، دوسری طرف عراق ہمیشہ سے دُنیا کی عظیم تہذیبوں کا مرکز رہا ہے اور زندگی میں تکلفات وتعیشات اس تہذیب کا جزو تھا؛ پھر مسلمانوں کے زیر نگین آنے کے بعد یہ علاقہ عربی اور عجمی تہذیب کا سنگم بن گیا تھا؛ اس لیے بمقابلہ حجاز کے یہاں مسائل زیادہ پیدا ہوتے تھے اور دین کے عمومی مقاصد ومصالح کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے کام لینا پڑتا تھا؛ یہاں کے فقہا اگر علمائے اصحاب حدیث کی طرح منصوص مسائل کے آگے سوچنے کو تیار ہی نہ ہوتے تو آخر اُمت کی رہنمائی کا فرض کیوں کر ادا ہوتا؟۔

---

[8] ۔ (تاریخ الفقہ الاسلامی، للشیخ محمد علی السایس:77)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

2. دوسرے یہ کہ دبستانِ حجاز پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ صحابہ کی چھاپ تھی، جن کا ذوق ظاہر نص پر قناعت کرنے کا تھا اور عراق کے استاذ اول حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے فقہا تھے، جن پر اصحاب الرائی کے طریقہ اجتہاد کا غلبہ تھا، اس لیے دونوں جگہ بعد کے علما پر ان صحابہ کے اندرازِ فکر کی چھاپ گھری ہوتی چلی گئی۔

3. تیسرے اکثر فرقِ باطلہ کا مرکز عراق ہی تھا، یہ لوگ اپنی فکر کی اشاعت کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، اس لیے علماِئے عراق تحقیق حدیث میں اُصول روایت کے ساتھ ساتھ اُصولِ درایت سے کام لیتے تھے، جبکہ علما حجاز کو وضع حدیث کے اس فتنہ سے نسبتاً کم سابقہ تھا۔ اسی دور میں فرقِ باطلہ کا ظہور ہوا اور سیاسی اختلاف نے آہستہ آہستہ مذہبی رنگ اختیار کر لیا، اور اپنے مسالک کو تقویت پہنچانے کے لیے لوگوں نے روایتیں گھڑنی شروع کر دیں؛ پس اسی دور سے وضع حدیث کا فتنہ بھی شروع ہوا۔

4. چوتھے یہ کہ عہد صحابہ میں اکثر لوگوں نے حضور ﷺ کے عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؛ اس لیے روایت حدیث کی ضرورت کم پیش آتی تھی، اب چونکہ زیادہ تر صحابہ رخصت ہو چکے تھے اور دوسری طرف فرقِ باطلہ کے نمائندوں نے اپنی طرف سے حدیثیں گھڑنی شروع کر دی تھیں، اس لیے روایتِ حدیث کے سلسلہ میں بمقابلہ گذشتہ دور کے اضافہ ہو گیا۔ جبکہ اس دور میں حدیث یا فقہ کی باضابطہ تدوین عمل میں نہ آئی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس سلسلہ میں کوشش تو کی اور گورنر مدینہ ابو بکر محمد بن عمرو بن حزم کو اس کام کی طرف متوجہ کیا؛ لیکن اس سے پہلے کہ ابن حزم اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرتے، خود حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی وفات ہو گئی۔

کوفہ اور مدینہ کے صاحبان علم وفضل: اس دور کے مدینہ اور کوفہ کے اہم فقہا و ارباب افتاء کے نام: مدینہ: اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیر، ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام، امام زین العابدین علی بن حسین، عبد اللہ بن مسعود، سالم بن عبد اللہ بن عمر، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد بن ابو بکر، نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر، محمد بن مسلم ابن شہاب زہری، امام ابو جعفر محمد باقر، ابوالزناد عبد اللہ بن ذکوان، یحیٰ بن سعید انصاری، ربیعۃ الرائے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ دوسری طرف کوفہمیں: حضرت علی حضرت عبد اللہ بن مسعود، علقمہ، نخعی، مسروق، عبیدۃ بن عمرو سلمانی، اسود بن یزید نخعی، قاضی شریح، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، عامر بن شراحبیل شعبی وغیرہم کا ایک جم غفیر تھا۔

تدوین علم فقہ کی ابتداء: علم اصول فقہ کی تدوین میں اولین مقام علمائے احناف کو حاصل ہے، اور علامہ ابو الوفاء افغانی کے بقول فقہ حنفی کے بانی اول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس میدان میں اولین تحریر 'کتاب الرائی' مرتب فرمائی، جس کی وجہ سے بعد کے ائمہ رجال نے ان کو 'صاحب الرائی' کہہ کر مخاطب کیا، اور بعد والے لوگوں نے اسم اور مسمی میں تفریق نہ کر سکنے کی وجہ سے یا دیگر کئی وجوہات سے ان کو اور ان کے طریق عمل پر چلنے والوں کو 'اہل الرائی' کے نام سے موسوم کر دیا، اور یوں عِلم سے عَلم، اور علم سے نام اور نام سے 'اہل الرائی' اور 'اہل الاثر' کی اصطلاحات ایک دوسرے کے مدمقابل معروف ہونا شروع ہو گئیں۔

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

اس میدان میں سمجھنے والی اصل بات یہ ہے کہ تدوین علم فقہ میں امام ابو حنیفہ کا طریقہ کار کیا تھا؟ عام اہل علم کی دانست میں ایک ایک مسئلے پر کئی کئی دن مباحثہ ہوتا اور یوں علم فقہ مرتب ہوتی چلی گئی، اور ذہنوں میں یہ خاکہ جاگزیں ہو جاتا شائد علم فقہ سارے کا سارا اسی بحث و مکالمہ کا نتیجہ ہے، اور تمام کی تمام فقہ شائد اسی بحث و مذاکرہ سے وجود پذیر ہوئی ہے اس قضیہ کو سمجھنا اور اس کے اصل حقائق تک رسائی ہمارا اس مضمون کا اولین مقصد ہے یہ بات واضح ہے کہ قرنِ اول میں جس طریق عمل کی بنیاد پڑی وہ صحابہ کے طرز عمل کو من و عن اختیار کر لینا تھا، اور اس طریقہ کار کی بنیاد حضرات صحابہ کرام کے حین حیات کی پڑ چکی تھی، دنیا کے اطراف واکناف سے جو لوگ ایمان لا کر حصول علم اور تعلیم دین کے ساتھ وابستہ ہوتے گئے وہ کسی نہ کسی صحابی کے دامن سے وابستہ ہوتے چلے گئے اور یوں اصحاب رسول جو علمائے اصول کے بقول سارے کے سارے مقام اجتہاد پر فائز تھے، لہذا کبھی تو وہ قول عمل رسول سے ان کی راہنمائی فرما دیتے تھے یا اجتہاد کے ذریعے ان کی راہنمائی فرما دیتے تھے۔

اس کے بعد جب تدوین علوم کا زمانہ شروع ہوا تو تو مدونین علوم نے جہاں مختلف دینی علوم مدون و مرتب فرمائے وہیں ان کے اصول کی طرف بھی خاص توجہ دی جانے لگی اور ان کی تدوین کی کوششیں بھی کی جانے لگیں جس کی اولین بنیاد 'کتاب الرائی' کی صورت میں نظر آتی ہے، اور یوں اہل کوفہ نے اپنا طریق عمل واضح کر دیا کہ ہمارے ہاں مسائل کی تعینیا تخصیص کی تدوین کا اولین اصول وضابطہ یہ ہوگا کہ ہم اپنے تدوین مسائل میں اس کتاب الرائی میں مرتب کردہ اصولوں کا پیش نظر رکھیں گے اور اسی کو بنیاد بنائیں گے۔

دوسری طرف امام مالک نے اپنے زمانے کے حاکم وقت کے کہنے پر امام ابن شہاب الزہری کی تقلید میں اپنا اصول مؤطا کو بنایا جو بعد میں ایک نئے منہج اور اصول فقہ کی بنیاد بنا لیکن اقوال نبی کے ساتھ ساتھ عمل میں رائج طریقہ کار کو اختیار کرنے میں انہوں نے اہل مدینہ میں رائج مسائل کو سامنے رکھا، کیونکہ اصحاب رسول کے کے عمل کو حجت مانتے ہوئے اس کو اختیار کر لیا جاتا تھا اور اس کی تائید مزید کے لئے مؤطا میں جمع شدہ نصوص کو بطور مستدل اختیار کر لیا جاتا تھا، اور اس میں امام مالک نے علمائے اہل کوفہ کے طریق عمل کا اپنے پیش رو کے طور پر قبول کر لیا۔

امام ابن شہاب الزہری کی تدوین احادیث کی مساعی جملہ کے ساتھ تین منہج فکر و عمل معرض وجود میں آئے اول: امام مالک جنہوں نے عمل اہل مدینہکے اصول کو ساتھ ملا کر ایک منہج فکر و عمل کی بنیاد رکھی وہیں جو بعد میں فقہ مالکی کہلائی، دوم: طرف امام ابو حنیفہ نے عمل اہل کوفہ کو ساتھ ملا کر ایک الگ منہج فکر و عمل کی بنیاد رکھی جو بعد میں فقہ حنفی کے نام سے معروف مشہور ہوئی، سوم: داود ظاہری فقہی مذاہب میں ایک نئے منہج یا مسلک یعنی فقہ ظاہری کی تشکیل دی۔ وہ قرآن وسنت کے ظاہر کو قابل اعتبار خیال کرتے اسی کے مطابق عمل کو مناسب جانتے تھے، اور ان میں کسی قسم کی تاویل، رائے یا قیاس کو روا نہیں سمجھتے تھے۔

یہاں ایک سوال ہر طالب علم کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ جس 'کتاب الرائی' کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں جس کی بنیاد پر ہم ایک مستقل فقہ کی بنیاد بنانے جا رہے ہیں کیا اس کا وجود بھی کہیں ہے؟ یا ایک زیب داستاں قصہ کے سوا کچھ نہیں؟ امام ابو حنیفہ کا یہ اولین تحریری کام جو مرتب ہوا اور بہت سارے ائمہ نے اس کے مشتملات کو اپنی تصانیف و تحریروں میں نقل بھی کیا ہے اور اس کے متفرق اجزاء حنفی نصوص میں جابجا ملتے ہیں، اس کے مشتملات کو جمع کرنا الگ سے ایک کام ہے جو زیر تدوین ان کو مدون کر کے اہل علم کے لئے پیش کیا جسکے گا لیکن وہ تمام نصوص واصول محفوظ ہیں

گویا یہ دو اصول ہمارے سامنے آتے ہیں ایک طرف کتاب الرائی ہے تو دوسرہ طرف مؤطا مالک، اور ایک طرف عمل اہل کوفہ ہے تو دوسری طرف عمل اہل مدینہ ہمارے ظاہر ہوتے ہیں اور یوں تاریخ علم فقہ میں دو منہج واضح طور ہمارے سامنے آتے ہیں اور دو فقہ وجود پذیر ہوتی ہیں جس میں امام ابو حنیفہ عملی تعامل ثابت کرنے یا عملی توثیق کے لئے عمل اہل کوفہ کو بنیاد بناتے ہیں جبکہ دوسری طرف انہی کے مدمقابل امام مالک اثبات وتوثیق عمل کے لئے یا تعامل کے لئے عمل اہل مدینہ کو بنیاد بناتے ہیں اور یوں دو منہج ایک دوسرے کے مدمقابل ہمارے سامنے آجاتے ہیں اور اسلامیان ملت اسلامیہ کے لئے عمل میں دو فقہ معرض وجود میں آجاتی ہیں

اس وقت ہمارا موضوع علمائے احناف کی فقہ میں تشکیل پذیری کا اہم ترین اصول 'عمل اہل کوفہ' ہے، اس اصول کو واضح کرنے کے لئے چند کلمات زیر تحریر ہیں تاکہ ان کو جان کر ہم سمجھنے کے اہل کو سکیں کہ فقہ حنفی کی تشکیل اور وجود پذیری میں کیا کیا مراحل و کیا منہج تھا جو خاص طور سے شامل حال رہا اور جس سے فقہ حنفی ایک مضبوط اور مستحکم فقہ بن کر ہمارے سامنے آئی ہے اور پوری دنیا پر اس نے اپنی ثقاہت اور رسوخ کا سکہ جمالیا تھا کہ تاحال دنیا کی اکثریت جانتے ہوئے یا نہ جانتے ہوئے اسے کے زیر اثر ہے

فضیلت کوفہ و اہل کوفہ: اہل کوفہ کی اکثریت مذہبی معنوں میں ہمیشہ خلافتِ شیخین کے جائز ہونے کے قائل رہے۔ اہل سنت کے معروف عالم دین علامہ شبلی نعمانی اپنی شہرہ آفاق کتاب "الفاروق" میں کوفہ شہر کی تعمیر و ترقی کا سہرا خلیفہ دوم عمر کے سر ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: واضح ہو کہ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن وقاص نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کے رنگ و روپ بالکل بدل گئے۔ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلیمان حذیفہ نے کوفہ کی زمین انتخاب کی اور اسکا نام کوفہ رکھا۔ غرض 10ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جُدا جُدا قبیلے جُدا جُدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع و ساخت 41 ہاتھ رکھنے کے متعلق خود حضرت عمر کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام 41، 21 ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں 13، 31 ہاتھ اور 21، اور اس سے گھٹ کر 3 ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی اس قدر وسیع تھی کہ اس میں 41 ہزار آدمی آسکتے تھے۔۔۔ جامع مسجد کے سوا ہر قبیلے کے لئے جُدا جُدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم، ثقیف، ہمدان، بجبلۃ، تیم الات، تغلب، بنو اسد، نخع، و کندہ، ازد، مزینہ، تمیم، محارب، اسد، و عامر، بجالۃ، جدیلۃ و اخلاط، جہینہ، مذحج،، ہوازن وغیرہ وغیرہ۔ یہ شہر حضرت عمر ہی کے زمانے میں اپنی اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر اس کو رأس الاسلام فرماتے تھے اور وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔

اہلیان کوفہ کی سیاسی تقسیم: کوفہ کے لوگ پہلی صدی کے آخر میں سیاسی فتنوں کے زمانوں میں تین گروہوں میں بٹ گئے تھے:

1. شیعانِ عثمان (بنی امیہ) جو کھل کر اہل بیت پر سب و شتم کرتے تھے اور یزید کی حکومت کے لیے مستقل جاسوس کردار ادا کرتے تھے۔ یہ پہلے تین خلفاء کی خلافت کے قائل تھے جبکہ حضرت علی کی خلافت کو انہوں تسلیم نہیں کیا۔ کوفہ میں موجود سرکاری فوج جس کو معاویہ نے خلیفہ بننے کے بعد روانہ کیا تھا کا تعلق بھی اسی گروہ سے تھا۔ یعنی یہ سرکاری فوج بنیادی طور پر شام سے لاکر یہاں آباد کی گئی تھی۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

2. عام اہل کوفہ، جنہیں سیاسی معنوں میں شیعانِ عثمان کی رد میں شیعانِ علی کہاجاتا تھا۔ یہ عقیدہ کے لحاظ سے پہلے تین خلفاء کی بجائے چار خلفاء کے ماننے والے تھے۔ یہ گروہ کوفہ میں سب سے زیادہ اکثریت میں تھا۔

3. شیعیان علی: شیعانِ علی خاص گروہ، جو بعد میں عقیدہ میں امامی شیعہ ہوگئے تھے۔ یہ گروہ کوفہ میں اقلیت میں رہ گیا تھا۔ گویا ایک تحقیق کے مطابق واقعہ کربلا کے بعد کوفہ میں امامی شیعہ کی تعداد مٹھی بھر سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی۔ باقیوں کو زیاد ابن سمعیہ نے اپنی گورنری کے دور میں یا جلا وطن کر دیا یا وہ خود جان بچا کر بھاگ گئے اور یا ان کو قتل کر دیا تھا۔

اہل کوفہ کا علمی منہج:۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کوفی تھے، اس لیے سابق زمانہ میں بعض حاسدین اور متعصبین نے بڑی تندہی کے ساتھ یہ مہم شروع کر رکھی ہے کہ اہل کوفہ کو تو حدیث کا علم ہی نہ تھا، یا کوفہ والوں کی حدیث میں نور ہی نہیں، یا کوفہ والوں کی نقل روایت ہی معتبر نہیں یا شخصی تنقید میں کہاجاتا ہے کہ اگر جابر حعفی کذاب نہ ہوتا تو کوفہ والے علم حدیث ہی سے تہی دست ہوتے، وغیرہ وغیرہ اس قسم کی تعبیرات کے رد میں مصنف یہ سرخی قائم کرتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث دانی اور پھر کچھ تو دعوی سے بالکل غیر متعلق حوالے نقل کئے ہیں جو وہاں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں[9] ان میں ایک بات حدثنا کے الفاظ سے نقل روایت: قال ابو علی سمعت أبا داؤد قال قال النفيلي حيث حدث بهذا الحديث ، والله انه عندی أحلى من العسل يعنى قوله حدثنا و حدثنى قال ابو على سمعت اباداؤد يقول سمعت احمد يقول ليس لحديث اهل كوفة نور، قال وما رأيتُ مثل اهل البصرة كانوا تعلموه من شعبة "انتہی" ابو علی کہتے ہیں کہ میں نے ابو داؤد سے سنا کہ جب نفیلیہ حدیث بیان کرتے تھے تو یہ بھی فرماتے تھے کہ بخدا یہ حدیث جسمیں "حدثنا" اور "حدثنی" کے [سماع کیلئے صریح] الفاظ آتے ہیں مجھے شہد سے بھی لذیذ معلوم ہوتی ہے، اور ابو علی نے ابو داؤد سے انہوں نے احمد سے سنا انہوں نے فرمایا کہ اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں، اور میں نے اہل بصرہ کی طرح کوئی اور نہیں دیکھا جو یہ فرق ملحوظ رکھتا ہو کیونکہ انہوں نے شعبہ سے یہ حاصل کیا ہے تو اصل قضیہ تو حدثنا یا حدثنی کا ہے جبکہ اہل کوفہ دوسرے الفاظ حدیث کو اس کے ہم معنی قرار دیتے تھے اور اسی بات کو قاضی عیاض مالکی متوفی 544ھ اور حافظ عراقی شافعی متوفی 806ھ نے اجماع نقل کیا ہے[10] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام زہری، مالک، ابن عینیہ، یحیی بن سعید قطان اکثر اہل حجاز اور اہل کوفہ اور اسی طرح اہل مغرب کا یہ مسلک ہے اور اسی کو ابن الحاجب نے مختصر میں ترجیح دی ہے اور امام حاکم نے ائمہ اربعہ کا یہ مذہب بتایا ہے کہ ان الفاظ کا ایک ہی معنی ہے، اور بعض اہل علم نے ان الفاظ کی پابندی کو صرف مستحسن قرار دیا اور امام احمد بن حنبل فن روایت کے اس دقیق فن کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث اس فرق کو واضح کرنے کے لیے اتنی روشن نہیں جتنی کہ اہل بصرہ کی سند کے لحاظ سے روشن اور واضح ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے یہ فرق امام شعبہ سے حاصل کیا ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوفہ والوں کی حدیث متن کے لحاظ سے بے نور ہوتی ہے، جیسا کہ مؤلف "حقیقت الفقہ" کا دعوی ہے

---

9 ۔۔[حقیقت الفقہ حصہ اول ص80]

10 ۔۔[فتح الملہم ص75]

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

اہل کوفہ سے اہل علم کی مراد: اہل کوفہ کا لفظ بول کر علمائے فن ماہرین علم حدیث یا ماہرین علم فقہ مراد لیتے تھے چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: ’وقال وکیع مہما شککتم فی شیئ فلا تشکوا فی ان جابراً ثقه ، حدثنا عنه مسعر و سفیان و شعبة و حسن بن صالح‘ وکیع فرماتے ہیں کہ تم اگر کسی اور چیز میں شک کرتے ہو تو شوق سے کرو مگر اس میں بالکل شک نہ کرنا کہ جابر ثقہ ہے ہم سے مسعر، سفیان، شعبہ اور حسن بن صالح نے ان کی حدیث بیان کی ہے، بعض لوگوں اہل کوفہ بول کر علی التعیین حنفی ہی سمجھ لیے ہیں، کیا کوفہ میں اور حضرات نہ تھے؟ اگر ہماری بات پر یقین نہ آئے تو حضرت مبارکپوری صاحب ہی کی سن لیجئے: ’قلتُ الصحیح أن الترمذی أراد بأهل الكوفة من كان فيها من أهل العلم كالأمام ابی حنیفة والسفیانین و غیرهم و أراد ببعض أهل الكوفة بعضهم ولم يرد بأهل الكوفة أو ببعض أهل الكوفة الأمام أبا حنيفة وحده‘ یعنی: میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی نے اہل کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہل علم وہاں رہتے تھے مثلاً امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، سفیان بن عینیہ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ سے بعض مراد لیے ہیں، امام ترمذی نے اہل کوفہ یا بعض اہل کوفہ سے صرف امام ابو حنیفہ ہی مراد نہیں لیے، اور بقول مولانا صفدر: ’لے دے کر اہل کوفہ کی حدیث دانی کا سرمایۂ حیات ہی جابر جعفی ہیں؟ و ثالثاً امام حماد کو علی الاطلاق متکلم فیہ سمجھنا اور متکلم فیہ کا معنی غیر معتبر کرنا بالکل غلط ہے، ورنہ اکثر رواۃ متکلم فیہ ٹھہریں گے[11] اور کیا امام حماد محمد بن اسحاق سے بھی زیادہ متکلم فیہ ہیں؟ جن کی روایت پر قرأت خلف الامام کے مسئلہ کی عمارت کھڑی ہے اور غیر مقلدین حضرات کے دور حاضر میں سب سے بڑے محدث اور جامعۂ سلفیہ کے شیخ الحدیث ایک مقام پر یوں ارقام فرماتے ہیں کہ پھر یہ مرسل کیسے حجت ہو سکتی ہے، جب اہل کوفہ کی نقل صحیح نہیں تو تطبیق کی بھی ضرورت نہیں[12] لیجئے: اہل کوفہ کی نقل اور روایت سے گلو خاصی کے لیے کیا ہی تیر بہدف اور زود اثر نسخہ دستیاب کر لیا گیا ہے کہ جب اہل کوفہ کی نقل ہی صحیح نہیں تو پھر تطبیق کی کیا ضرورت ہے؟ بتائیے کہ اس جواب کے تریاق، مجرب اور اکسیر اعظم ہونے میں کیا کسر باقی ہے؟ جہاں سند میں کوئی کوفی راوی ملے وہاں جھٹ سے یہ اکسیر اس کی روایت کو سونگھا دو اور یقین جانیئے کہ کلوروفارم سے بھی پہلے اس کا اثر نمایاں ہو گا اور اہل کوفہ کی حدیث و روایت جہاں بھی ہو گی وہیں خفتہ و بے ہوش ہو جائے گی۔

البتہ حضرات کو دعوت فکر دینے کے لیے تذکرۃ الحفاظ کی صرف پہلی جلد سے ان محدثین عظام رحمہم اللہ کا ذکر کرنا بڑا ضروری معلوم ہوتا ہے جن کو علامہ ذہبی نے ”الکوفی“ یا ”نزیل الکوفہ“ کے لقب سے یاد کیا ہے عام اس سے کہ وہ مولداً کوفی ہوں یا مسکناً۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مستقل عنوان صرف انہی حضرات کے ناموں سے قائم کئے ہیں جو حفاظ حدیث ہیں۔ کسی کے نام کے ساتھ انہوں نے ”الامام“، ”القدوۃ“، ”المحدث“ اور کسی کے نام کے ساتھ ”الحافظ“، ”الحجۃ“، الثقہ“ اور کسی کے نام کے ساتھ ”شیخ الاسلام“ اور ”محدث الکوفہ“ وغیرہ کے توصیفی کلمات لکھ کر اپنی حسن عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے، اور ان کا صحیح مرتبہ اور مقام بھی بتایا ہے۔ ہم صرف ان حضرات کا ذکر کریں گے جن کو مستقل عنوان کے ساتھ انہوں نے ذکر کیا ہے اور حتی الوسع ہر ایک کا سن وفات بھی عرض کر دیں گے

[11] ۔۔[المغنی شرح کبیر ج1 ص115]

[12] ۔۔[صفدر محمد سرفراز مولانا، خیر الکلام ص294]

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

علقمہ بن قیس متوفی 62ھ، مسروق بن الاجدع متوفی 63ھ، عبیدۃ بن عمرو المرادی متوفی 72ھ، اسود بن یزید متوفی 75ھ، سوید بن غفلہ متوفی 81ھ، زر بن حبیش متوفی 82ھ، ربیع بن الخثیم متوفی 63ھ، عبد الرحمن بن ابی لیلی متوفی 73ھ، ابو عبد الرحمن سلمی متوفی 73ھ، شریح بن حارث متوفی 78ھ، ابو وائل شقیق بن سلمہ متوفی 82ھ، قیس بن ابی حازم متوفی 97ھ، عمرو بن میمون متوفی 75ھ، زید بن وہب جہنی 84ھ، معرور بن سوید، ابو عمرو شیبانی متوفی 98ھ، ربعی بن خراش متوفی 101ھ، ابراہیم تیمی متوفی 92ھ، ابراہیم نخعی متوفی 95ھ، سعید بن جبیر متوفی 95ھ، امام شعبی متوفی 103ھ، ابو اسحق سبیعی متوفی 127ھ، حبیب بن ابی ثابت متوفی 119ھ، حکم بن عتیبہ متوفی 115ھ، عمرو بن مرہ متوفی 116ھ، قاسم بن مخمیرہ متوفی 111ھ، عبد الملک بن عمیر متوفی 136ھ، منصور بن معتمر متوفی 132ھ، مغیرہ بن مقسم متوفی 136ھ، حصین بن عبد الرحمن متوفی 136ھ، ابو اسحق شیبانی متوفی 138ھ، اسمعیل بن خالد متوفی 145ھ، سلیمان بن مہران اعمش متوفی 148ھ، عبد الملک بن سلیمان عزرمی متوفی 145ھ، محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی متوفی 148ھ، حجاج بن ارطاۃ متوفی 149ھ، مسعر بن کدام متوفی 175ھ، مسعودی متوفی 160ھ، سفیان بن سعید ثوری متوفی 161ھ، اسرائیل بن یونس متوفی 162ھ، زائدۂ بن قدامہ متوفی 161ھ، حسن بن صالح متوفی 167ھ، شیبان بن عبد الرحمن متوفی 164ھ، قیس بن ربیع متوفی 167ھ، ورقاء بن عمرو بن کلیب متوفی 160ھ، شریک بن عبد اللہ قاضی متوفی 177ھ، زہیر بن معاویہ متوفی 173ھ، قاسم بن معن متوفی 175ھ، ابو الاحوص سلام بن سلیم متوفی 197ھ، عبثر بن قاسم متوفی 178ھ، سفیان بن عینیہ متوفی 198ھ، ابو بکر بن عیاش متوفی 193ھ، یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ متوفی 182ھ، عبد السلام متوفی 187ھ، جریر بن عبد الحمید متوفی 188ھ، ابو خالد بن الاحمر متوفی 198ھ، ابو اسحاق فزاری متوفی 185ھ، عیسی بن یونس متوفی 187ھ، عبد اللہ بن ادریس متوفی 192ھ، یحیی بن یمان متوفی 189ھ، حمید بن عبد الرحمن متوفی 190ھ، علی بن مسہر متوفی 189ھ، عبد الرحیم بن سلیمان متوفی 187ھ، ابو معاویہ متوفی 195ھ، مروان بن معاویہ متوفی 193ھ، حفص بن غیاث متوفی 164ھ، وکیع بن الجراح متوفی 197ھ، اشجعی متوفی 182ھ، عبدۃ بن سلیمان متوفی 188ھ، محاربی متوفی 195ھ، محمد بن فضیل بن غزوان متوفی 195 ہجری، ابو اسامہ متوفی 201ھ، محمد بن بشر متوفی 203ھ، یحیی بن سعید بن ابان متوفی 194ھ، یونس بن بکیر متوفی 199ھ، عبد اللہ بن نمیر متوفی 199ھ، شجاع بن ولید متوفی 204ھ، محمد بن عبید متوفی 204ھ، یعلی بن عبید متوفی 209ھ، عبد اللہ بن داؤد خریبی متوفی 213ھ، حسین بن علی جعفی متوفی 203ھ، زید بن حباب متوفی 203ھ، عبید اللہ بن موسی متوفی 213ھ، اسحاق بن سلیمان قیسی متوفی 200ھ، ابو احمد زبیری متوفی 202ھ، یحیی بن آدم متوفی 203ھ، داؤد یحیی بن یمان متوفی 203ھ، ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن یزید متوفی 213ھ، ابو نعیم فضل بن دکین متوفی 219ھ، قبیصتہ بن عقبہ متوفی 215ھ، موسی داؤد ضبی متوفی 217ھ، خلف بن تمیم متوفی 206ھ، یحیی بن ابی بکیر متوفی 208ھ، زکریا بن عدی متوفی 212ھ، احمد بن عبد اللہ بن یونس متوفی 227ھ، ابو غسان متوفی 219ھ، خالد بن مخلد قطوانی متوفی 213ھ اور حضرت امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف متوفی 182ھ، ہم نے "تذکرۃ الحفاظ جلد اول" ہی سے کوفہ کے ان حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ تذکرۃ الحفاظ کی بقیہ تین جلدوں اور بیسوں دیگر اسماء الرجال کی کتابوں میں محدثین کوفہ یا بالفاظ دیگر کوفہ کے حدیث دانوں کی تعداد اور گنتی کا کیا حال ہو گا؟

امرائے سلطنت کی فقہ میں دلچسپی: اس مرحلے میں بعض عباسی خلفاء کے معتزلہ سے متاثر ہونے کی وجہ سے "خلق قرآن کا فتنہ" پیدا ہوا جس کی خوں آشام داستانیں اب بھی تاریخ میں محفوظ ہیں، عباسی خلفاء کو فقہ سے بھی تعلق تھا؛ یہی وجہ ہے کہ منصور اور پھر خلیفہ ہارون رشید نے امام

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

مالک رحمہ اللہ کی مؤطا کو ملکی دستور کی حیثیت دینی چاہی؛ لیکن یہ امام مالک رحمہ اللہ کا اخلاص تھا کہ انھوں نے اس سے منع فرمادیا، بعض عباسی خلفاء نے امام مالک رحمہ اللہ سے یہ شکایت بھی کی کہ ان کی کتاب میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور بنو ہاشم کے صحابہ کی مرویات کو وہ اہمیت نہیں دی گئی ہے، جو دوسرے صحابہ کی مرویات کو دی گئی ہے، امام مالکؒ نے اس پر معذرت کی کہ مجھے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ کے تلامذہ سے استفادہ کا موقع نہیں ملا۔ یہ ان کے علمی ذوق ہی کی بات تھی کہ ہارون رشید قاضی ابو یوسف سے حکومت کے مالیاتی قوانین کے موضوع پر تالیف کا طلب گار ہوتا ہے اور اسی خواہش کے نتیجہ میں ان کی معروف مقبول تالیف "کتاب الخراج" وجود میں آتی ہے اور یہ بھی خلفاء کی علم پروری ہی ہے کہ ان کے عہد میں بغداد ہر فن کے علما و ماہرین کا مرکز و ملجا بن جاتا ہے، اس حوصلہ افزائی اور علمی پزیرائی نے علما کو اپنے اپنے فن کو پایہ کمال تک پہنچانے کا حوصلہ دیا۔ دوسرا سبب عالم اسلام کی وسعت تھی، اب مسلمانوں کی حکومت یورپ میں اسپین سے لے کر ایشیاء میں مشرق بعید چین تک تھی، مختلف قوموں، مختلف تہذیبیں، مختلف لسانی گروہ اور مختلف صلاحیتوں کے لوگ عالم اسلام کے سایہ میں تھے اور ان میں بڑی تعداد نو مسلموں کی تھی؛ اس لیے لوگوں کی طرف سے سوالات کی کثرت تھی اور اس نسبت سے فقہی اجتہادات کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا؛ اسی عہد میں بڑے بلند پایہ، عالی ہمت اور اپنی ذہانت و فطانت کے اعتبار سے محیر العقول علما و فقہا پیدا ہوئے؛ کیونکہ اس عہد میں اسی درجہ کے اہلِ علم کی ضرورت تھی؛ پھر ان میں سے بعض بلند پایہ فقہانے مستقل دبستانِ فقہ کی بنیاد رکھی اور ان سے علمی تاثر کی وجہ سے اہلِ علم کی ایک تعداد ان کے ساتھ ہو گئی اور اس نے ان کے علوم کی اشاعت و تدوین اور تائید و تقویت کے ذریعہ مستقل فقہی مدارس کو وجود بخشا، ان شخصیتوں میں سب سے ممتاز شخصیتیں ائمہ اربعہ کی ہیں۔

کوفہ میں تدوین علوم: اہل کوفہ کے ہاں تدوین تین مرحلوں میں انجام پائی، پہلے مرحلہ: حضور ﷺ کی احادیث اور صحابہؓ کے فتاویٰ اور فیصلے؛ بلکہ کہیں کہیں تابعین کے فتاویٰ بھی ملے جلے جمع کیے گئے، امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الآثار اور امام مالک رحمہ اللہ کی مؤطا میں آج بھی اس طریقہ ترتیب کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے؛ پھر دوسرے مرحلہ: دوسری صدی ہجری کے آخر میں مسانید کا طریقہ مروج ہوا کہ راوی پنی تمام مرویات کو صحابہؓ کے ناموں کی ترتیب سے جمع کرتا اور حدیث کے مضامین و موضوعات سے قطع نظر ایک صحابی کی تمام مرویات ایک جگہ ذکر کی جاتیں، اس سلسلہ کی سب سے ممتاز کتاب "مسند امام احمد بن حنبل" ہے؛ لیکن ان میں صحیح و مستند اور ضعیف و نا معتبر دونوں طرح کی روایتیں مذکور ہوتیں؛ چنانچہ تیسرے مرحلہ: تیسری صدی ہجری سے دواُمور کی رعایت کے ساتھ کتب حدیث مرتب کی گئیں، ایکیہ کہ ان کی ترتیب مضمون کے اعتبار سے ہو اور فقہی ابواب کی ترتیب پر روایتیں جمع کی جائیں، دوسرے یہ کہ نقل حدیث میں صحیح وضعیف کا فرق ملحوظ رکھا جائے اور اپنے گمان کے مطابق صحیح روایتیں نقل کی جائیں، صحاحِ ستہ؛ اسی دور کی یادگاریں ہیں، جن کو کتبِ حدیث میں خاص طور پر قبولِ عام اور شہرت و دوام حاصل ہوا۔ اس وقت جو کتبِ حدیث موجود ہیں، ان میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب الآثار، امام مالک رحمہ اللہ کی مؤطا اور امام محمد رحمہ اللہ کی مؤطا اور کتاب الآثار سب سے قدیم کتابیں ہیں، باقی بہت سی کتابیں وہ ہیں کہ ان کے مصنفین کی نسبت سے تاریخ کی کتابوں میں ان کا ذکر ملتا ہے؛ لیکن اب دستیاب نہیں ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مسند گو ایک قدیم ترین مسند ہے؛ لیکن یہ ان کے تلامذہ کی جمع کی ہوئی ہے نہ کہ خود امام صاحب رحمہ اللہ کی جمع کردہ یا مرتب کردہ ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

علم فقہ کی باضابطہ تدوین کا شرف سب سے پہلے جس شخصیت کو حاصل ہوا، وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ذات والا صفات ہے؛ اسی لیے امام شافعیؒ نے فرمایا:"مَنْ أَرَادَ الْفِقْهَ فَهُوَعِيَالٌ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ"۔[39]اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ، شافعیؒ فرماتے ہیں:"إنه اوّل من دون علم الشريعة ورتبها ابوابا ثم تبعه مالک ابن انس فی ترتيب الموطا ولم يسبق أباحنيفة احد"۔[40]امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں؛ جنھوں نے علم شریعت کی تدوین کی اور اسے باب وار مرتب کیا؛ پھر مؤطا کی ترتیب میں امام مالکؒ نے انھیں کی پیروی کی، امام ابو حنیفہؒ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔اسی بات کو ابن حجر مکی فرماتے ہیں:"إِنَّهُ أَوَّلُ من دون عِلْم الْفِقْهَ وَرَتَّبَهُ أَبْوَابًا وَكُتُبًا عَلَى نَحْوِ مَاهُوَعَلَيْهِ الْيَوْمَ، وَتَبِعَهُ مَالِكٌ فِي مُؤَطائه"۔[41]امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں؛ جنھوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور کتاب اور باب پر اس کو مرتب فرمایا، جیسا کہ آج موجود ہے اور امام مالک نے اپنی مؤطا میں انھیں کی اتباع کی ہے۔

عمل اہل عراق کی مجلس شوری: امام صاحبؒ نے دوسرے فقہا کی طرح انفرادی طور پر اپنی آراء مرتب نہیں کی؛ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح شورائی انداز اختیار کیا؛ چنانچہ علامہ موفق فرماتے ہیں:"فوضع ابوحنيفة مذهبه شورىٰ بينهم لم يستمد بنفسه دونهم"[13]۔ امام ابو حنیفہ نے اپنا مذہب شورائی رکھا، وہ شرکاءِ شوریٰ کو چھوڑ کر تنہا اپنی رائے مسلط نہیں کرتے۔اس کا نتیجہ تھا کہ بعض اوقات ایک مسئلہ پر ایک ماہ یا اس سے زیادہ بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا؛ دوسرے مقام پر علامہ موفق ہی رقم طراز ہیں:"كان يلقى مسئلة مسئلة يقلبهم ويسمع ماعندهم ويقول ماعنده ويناظرهم شهراً اواكثر من ذالک حتى يستقر احدا لأقوال فيها"[14]۔ امام صاحب ایک ایک مسئلہ پیش کرتے، ان کے خیالات کا جائزہ لیتے اور ان کی بھی باتیں سنتے، اپنے خیالات پیش کرتے اور بعض اوقات ایک ماہ یا اس سے زیادہ تبادلہ خیال کا سلسلہ جاری رکھتے؛ یہاں تک کہ کوئی ایک قول متعین ہو جاتا۔اس مجلس تدوین میں جو مسائل مرتب ہوئے اور جو زیرِ بحث آئے ان کی تعداد بقول علامہ خوارزمی مسانید امام ابو حنیفہؒ کے جامع علامہ خوارزمی نے تراسی ہزار کی تعداد لکھی ہے، جس میں اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے تھا اور باقی کا معاملات سے۔[15] بعض حضرات نے 6 / لاکھ اور بعضوں نے 12 / لاکھ سے بھی زیادہ بتائی ہے، مشہور محقق مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اس تعداد میں ان مسائل کو بھی شامل کر لیا گیا ہے، جو امام کے مقرر کیے ہوئے اُصول وکلیات کی روشنی میں مستنبط کیے گئے تھے[16]۔اور عمل اہل کوفہ کی مجلس میں اپنے عہد کے چالیس ممتاز علما شامل تھے؛ لیکن ان کے سنین وفات اور امام صاحبؒ سے وابستگی کے زمانہ کو دیکھتے ہوئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ سارے لوگ شروع سے آخر تک اس کام میں شریک نہیں رہے؛ بلکہ مختلف ادوار میں ارکان نے کارِ تدوین میں ہاتھ بٹایا اور ان میں بعض وہ تھے جنھوں نے

---

[13]۔۔المناقب للمکی ص ٦٥ ج ا

[14]۔۔المناقب للمکی ص ٩۴ ج ا

[15] جامع المسانید ص ٩۴ ج ا

[16] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص ١٨۵

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

آخری زمانہ میں اس کام میں شرکت کی، عام طور پر شرکاء مجلس کا نام ایک جگہ نہیں ملتا ہے، مفتی عزیز الرحمن اور ڈاکٹر محمد میاں صدیقی نے ان ناموں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے اور ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی نے ان ہی کے حوالہ سے اسے نقل کیا ہے، نام اس طرح ہیں:

امام ابو یوسف، متوفی:182ھ، محمد بن حسن شیبانی، متوفی:189ھ، حسن بن زیاد، متوفی:204ھ، زفر بن ہذیل، متوفی:158ھ، مالک بن مغول، متوفی: 159ھ، داؤد طائی، متوفی:160ھ، مندل بن علی، متوفی:168ھ، نصر بن عبد الکریم، متوفی:169ھ، عمرو بن میمون، متوفی:171ھ، حبان بن علی، متوفی:172ھ، ابو عصمہ، متوفی:173ھ، زہیر بن معاویہ، متوفی:173ھ، قاسم بن معن، متوفی:175ھ، حماد بن ابی حنیفہ، متوفی:176ھ، ھیاج بن بسطام، متوفی:177ھ، شریک بن عبد اللہ، متوفی:178ھ، عافیہ بن یزید، متوفی:181ھ، عبد اللہ بن مبارک، متوفی:181ھ، نوح بن دراج، متوفی: 182ھ، ہشیم بن بشیر سلمی، متوفی:183ھ، ابو سعید یحییٰ بن زکریا، متوفی:184ھ، فضیل بن عیاض، متوفی:157ھ، اسد بن عمرو، متوفی:188ھ، علی بن مسہر، متوفی:189ھ، یوسف بن خالد، متوفی:189ھ، عبد اللہ بن ادریس، متوفی:192ھ، فضل بن موسیٰ، متوفی:192ھ، حفص بن غیاث، متوفی:194ھ، وکیع بن جراح، متوفی:197ھ، یحییٰ بن سعید القطان، متوفی:198ھ، شعیب بن اسحاق، متوفی:198ھ، ابو حفص بن عبد الرحمن، متوفی:199ھ، ابو مطیع بلخی، متوفی:199ھ، خالد بن سلیمان، متوفی:199ھ، عبد الحمید، متوفی:203ھ، ابو عاصم النبیل، متوفی:212ھ، مکی بن ابراہیم، متوفی:215ھ، حماد بن دلیل، متوفی:215ھ، ہشام بن یوسف، متوفی:197ھ، اس دور میں فقہا اپنی قوتِ اجتہاد اور لیاقتِ استنباط میں نہایت اعلیٰ درجہ کے حامل تھے، اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بات مقدر نہیں تھی کہ ان کے مذہب کو بقاء واستحکام حاصل ہو سکے؛ چنانچہ کم ہی عرصہ میں یہ مذاہب ناپید ہو گئے؛ البتہ ان کی چیدہ چیدہ آراء، کتابوں اب بھی موجود ہیں، ان میں سے چار شخصیتیں امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام لیث بن سعد، امام داود ظاہری خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

فقہاء و محدثین کی بستی شہر کوفہ:

حضرت عمر فاروق کے عہدِ خلافت میں ملک عراق فتح ہونے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص نے آپ کی اجازت سے ۱۷ ہجری میں کوفہ شہر بسایا، اور قبائل عرب میں سے فصحاء کو آباد کیا۔ حضرت عمر فاروق نے عبد اللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی کو وہاں تعینات کیا؛ تاکہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ صحابہ کرام کے درمیان حضرت عبد اللہ بن مسعود کی علمی حیثیت مسلّم تھی، خود صحابہ کرام بھی مسائلِ شرعیہ میں ان سے رجوع فرماتے تھے۔ ان کے متعلق حضورِ اکرم ﷺ کے ارشادات کتبِ حدیث میں موجود ہیں : » وتمسكوا بعهد ابن أم عبد» یعنی عبد اللہ بن مسعود کے طریق کو لازم پکڑو، دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: «وإذا حدثكم ابن أم عبد فصدقوه» اور جب عبد اللہ بن مسعود تمہیں کچھ بیان کریں تو اس کی تصدیق کرو، اور فرمایا: «"منْ سَرَّهُ أنْ يَقرأَ القُرآنَ غَضًّا كَما أُنزِلَ، فَلْيقرأْ علَى قِراءةِ ابنِ أُمِّ عَبدٍ" »جو قرآن پاک کو اُس انداز میں پڑھنا چاہیے، جیسا نازل ہوا تھا تو اُس کو چاہیے کہ ابن ام عبد یعنی عبد اللہ بن مسعود کی قرات کے مطابق پڑھے، حضرت عمر فاروق نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کے بارے میں فرمایا کہ: «كُنَيْفٌ مُلِئَ فِقْهًا» وہ علم سے بھرا ہوا ایک ظرف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی کے عہدِ خلافت میں اہل کوفہ کو قرآن وسنت کی تعلیم دی حضرت علی مرتضی کے عہدِ خلافت میں جب دار الخلافہ کوفہ منتقل کر دیا

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

گیاتوکوفہ علم کاگہوارہ بن گیا۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک جماعت خاص کر حضرت عبد اللہ بن مسعود اور ان کے شاگردوں نے اس بستی کو علم وعمل سے بھر دیا۔ صحابہ کرام کے درمیان فقیہ کی حیثیت رکھنے والے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا علمی ورثہ امام حمادامام ابراہیم نخعی وعلقمہ یہ سب تابعین کی ایک متبرک جماعت تھی ان کے ذریعہ امام ابوحنیفہ تک پہنچا۔ امام ابوحنیفہ امام حماد کی صحبت میں امام ابوحنیفہ تقریباً۱۸سال رہے اور حماد کے انتقال کے بعد کوفہ میں ان کی مسند پر امام ابوحنیفہ کو ہی بٹھایا گیا۔ غرضے کہ امام ابوحنیفہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے علمی ورثہ کے وارث بنے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایات اور ان کے فیصلہ کو ترجیح دیتے ہیں، مثلاً کتبِ احادیث میں وارد حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایات کی بناءپر امام ابوحنیفہ نے نماز میں رکوع سے قبل وبعد رفعِ یدین نہ کرنے کو سنت قرار دیا۔

اہل کوفہ کا طریق استنباط

اہل کوفہ کے ہاں مسائل فقہیہ کے استنباط اور اجتہاد اور تدوین مسائل کے متعدد مناہج تھے

1. اہل کوفہ نے عملی زندگی کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا وہ اتنا واضح تھا کہ اکثر صحابہ کا طریق عمل اہلیان کوفہ نے اختیار کر لیا تھا اور کوفہ کے گلی محلوں میں آباد لوگ یا تو اصحاب رسول ﷺ کی اولاد تھے یا ان کے شاگرد اور تابعین کے اولاد تھے اور یا تابعین سے کسب فیض کر چکنے والے تھے جس کی وجہ سے وہاں کا طریق عمل رسول اللہ ﷺ کے احکام وفرامین اور سنن کا عملی اسلوب عامة الناس کے ہاں پایا جاتا تھا اسی لئے جب امام محمد مدینہ میں امام مالک کے ہاں مؤطا کی سماعت کے لئے گئے تو امام محمد کے اصول استدلال میں سے اہم ترین اصل عمل اہل مدینہ تھا جس کی وجہ سے اکثر اوقات مام مالک کسی عمل کے بارے میں بطور استدلال کے اہل مدینہ کا عمل پیش کرتے ایک مجلس میں امام محمد نے امام مالک سے پوچھا کہ آپ مدینہ کے عمل کو اس قدر زیادہ اہمیت کیوں دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کیونکہ (۱): یہ مدینة الرسول کے، (۲): حضور اکرم یہاں آرام فرماہیں، (۳): دین کی ابتدا یہاں سے ہوئی ہے، (۴): اصحاب رسول کی یہاں کثریت رہی ہے، (۵): انکی دینی تربیت یہیں ہوئی ہے، لہذا یہاں کے عمل کی حجیت مسلمہ ہے؟ جس کے جواب میں امام محمد نے فرمایا کہ آپ کیہ سب باتیں درست ہیں کہ حضور علیہ السلام یہاں آرام فرماہیں، دین کی ابتداء یہاں ہوئی اور اصحاب رسول کی تربیت یہاں ہوئی، اور حضور علیہ السلام نے یہاں تک فرمایا: «رَضِيتُ لِأُمَّتِي مَا رَضِيَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ» جو عمل ابن مسعود کو پسند ہے میں بھی اسی سے راضی ہوں، لیکن اس سے ایک سو سال بعد عمل مدینہ کو حجت ماننا کسی طور درست نہیں، کیونکہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ اصحاب رسول کہاں تشریف لے گئے اور حضرت عثمان کی شہادت کے بعد اصحاب رسول ﷺ کی اکثریت نے کس شہر کو اپنا مسکن بنایا یقیناوہ شہر کوفہ تھا، لہذا کوفہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کی تربیت گاہ اور دینی تعلیم واشاعت کا اہمترین مرکز بنا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے بارے میں مروی ہے: قَالَ رَسُولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم: «اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَلِهِ، وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ» اور ایک دن تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اس قدر اہمیت دی کے اپنے اور شیخین کے بعد خطبہ دینے کا حکم دیا اور اس کے بعد ان کی توثیق و تعریف فرمائی اور فرمایا: قَالَ: خَطَبَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ: «يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ، قُمْ فَاخْطُبْ»، فَقَامَ فَخَطَبَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: «أَصَابَ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ، وَصَدَقَ، وَرَضِيتُ مَا رَضِيَ اللهُ لِي، وَلِأُمَّتِي، وَابْنُ أُمِّ عَبْدٍ، وَكَرِهْتُ مَا كَرِهَ اللهُ لِي، وَلِأُمَّتِي، وَابْنُ أُمِّ عَبْدٍ» اتنی اہمیت کی حامل شخصیت کے زیر تربیت رہنے والے لوگوں کا عمل حجیت میں بے مثل تھا

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

اور حضرت عمر بن خطاب نے ان کو کوفہ میں بھیجا تو ساتھ میں فرمایا:«كنيف مليء علما. وبعثه إلى أهل الكوفة ليقرئهم القرآن، ويعلمهم الشرائع والأحكام، فبث عبد الله فيهم علما كثيرا، وفقه منهم جما غفيرا»اہل کوفہ میں علم و عمل کو عام اتناعام کر دیا کہ گویا کوفہ شہر علم و عرفان کا مرکز بن گیا لہذا عمل اہل مدینہ سے عمل اہل کوفہ کو زیادہ ترجیح ہونی چاہیئے، جس پر امام مالک خاموش ہوگئے، اور اس کے بعد ہی امام محمد نے ایک جامع اور مفصل کتاب الرد علی اہل المدینۃ لکھی جس میں اہل مدینہ کے طریق عمل کے مکمل تنقیح اور درست راہ عمل واضح کرنے کی غرض سے عمل اہل کوفہ کو ثابت کیا اور عمل کے ساتھ ساتھ اس کی عملی وجوہات بھی تھیں مثلا

2. اول قرآن مجید کی مختلف قرأتوں کا بھی تدوین مسائل میں بڑا دخل تھا؛ اس عہد میں قرأت کے فن نے بھی بڑا عروج حاصل کیا اور اس کی وجہ سے حضرت ابن مسعود«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا أُنْزِلَ، فَلْيَقْرَأْهُ بِقِرَاءَتِهِ»اور قراءِ سبعہ میں سے میں سے تین امام: امام ابو بکر عاصمؒ (متوفی:128ھ جن کے تلامذہ میں حفص بن سلیمانؒ ہیں، اور امام حمزہ بن حبیب زیاتؒ (متوفی:145ھ اور امام ابوالحسن کسائی (متوفی:189ھ اور قرائے ثلاثہ میں سے خلف بن ہشام متوفی ۲۳۹ھ اسی عہد کے اہلیان کوفہ کے قراء میں سے ہیں گویا قراء سبعہ پر تین قراء اور ثلاثہ میں سے ایک کا تعلق اسی عہد سے ہے۔

3. علم حدیث کی تدوین میں اولین حفاظ الحدیث اہلیان کوفہ میں سے تھے، اور اولیں مدونہ کتب حدیث بھی اہلیان کوفہ کی کاوش کا نتیجہ تھیں کیونکہ حضرت ابن مسعود نے تو بقول حضرت علی المرتضی مدینہ کو علم وحکت سے بھر دیا تھا، حتی کہ ایک وقت حضرت عمر کوفہ کے سفر پر گئے تو مختلف اہل علم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ زید بن وہب کا کہنا ہے کہ:«كنتُ جالسًا في القوم عند عُمَر إذ جاء رجل نحيف قليل، فجعل عمر ينظر إليه ويتهلّل وجهه ثمّ قال: كُنَيْفٌ مُلِئَ عِلْمًا، كنيف مُلِئَ علمًا، كنيف مُلِئَ علمًا، فإذا هو ابن مسعود»میں حضرت عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک کمزور سے شخص کو میں نے آتے دیکھا جس کو دیکھ کر بار بار یہ فرمار ہے تھے کہ علم سے بھرا ہوا تھیلا علم سے بھرا ہوا تھیلا علم سے بھرا ہوا تھیلا اور وہ ابن مسعود تھے۔ لہذا اہلیان کوفہ کا عمل تو اہل مدینہ سے زیادہ حجیت کا باعث ہے

4. اُصولِ فقہ کی باضابطہ تدوین بھی اسی عہد میں ہوئی، کہا جاتا ہے کہ اس موضوع پر امام ابوحنیفہ کی کوئی تالیف "کتاب الرائی" کے نام سے تھی؛ لیکن اب اس کا کوئی وجود نہیں، امام محمد کی طرف بھی اُصول کی ایک کتاب اسی نام سے منسوب کی جاتی ہے، یہ بھی دستیاب نہیں؛ لیکن ماضی قریب میں ابوالحسین بصری معتزلی کی کتاب "المعتمد فی اُصول الفقہ" طبع ہوئی ہے، اس کتاب میں امام ابویوسف کی کتاب کا حوالہ موجود ہے؛ اس لیے حقیقتیہی ہے کہ اس فن کے موسس اوّل امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ ہیں، اس وقت اس موضوع پر جو قدیم ترین کتاب پائی جاتی ہے،

وہ امام شافعی کی "الرسالہ" ہے۔ یہ نہایت اہم کتاب ہے اور ابتدائی دور کی تالیف ہونے کے لحاظ سے نہایت جامع، واضح اور مدلل تالیف ہے، جس میں قرآن مجید کے بیان کے اُصول، سنت کی اہمیت اور قرآن سے اس کا ربط، ناسخ ومنسوخ، علل حدیث، خبر واحد کی حجیت، اجماع، قیاس، اجتہاد، استحسان اور فقہی اختلافِ رائے کی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے، امام شافعیؒ نے اس کتاب میں استحسان پر بہت شدید تنقید کی ہے اور ان کا یہی لب ولہجہ "کتاب الام" میں بھی پایا جاتا ہے؛ لیکن یہ تنقید زیادہ تر غلط فہمی اور اگر اس تنقید کا نشانہ حنفیہ ہوں تو حنفیہ کے نقطۂ نظر سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اس دور میں

فقہی اصطلاحات کا ظہور ہوا اور احکام میں فرض، واجب، سنت، مباح اور مستحب جیسی اصطلاحات نے رواج پایا، تابعین کے عہد میں عام طور پر ایسی اصطلاحات قائم نہیں تھیں؛ بلکہ شریعت میں جن باتوں کا حکم دیا گیا، لوگ بلا تفریق اس پر عمل کرتے تھے اور جن باتوں سے منع کیا گیا، بلا کسی فرق کے ان سے اجتناب کرتے تھے۔

بمقابلہ پچھلے ادوار کے اس عہد میں اجتہاد واستنباط کی کثرت ہوئی، اس کے دو بنیادی اسباب تھے، ایک عباسی حکومت کا علمی ذوق، عباسیوں نے جہاں بغداد جیسا متمدن شہر آباد کیا اور عقلی علوم کو عربی زبان کا جامہ پہنایا، وہیں اسلامی علوم سے بھی ان کو اعتناء تھا اور خود خلفاء علمی ذوق کے حامل ہوا کرتے تھے؛ بلکہ بعض دفعہ کسی رائے سے تاثر اور غلو کی وجہ سے نقصان بھی ہوتا تھا؛ چنانچہ بعض عباسی خلفاء کے معتزلہ سے متاثر ہونے کی وجہ سے "خلق قرآن کا فتنہ" پیدا ہوا جس کی خوں آشام داستانیں اب بھی تاریخ میں محفوظ ہیں، عباسی خلفاء کو فقہ سے بھی تعلق تھا؛ یہی وجہ ہے کہ منصور اور پھر خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک کی مؤطا کو ملکی دستور کی حیثیت دینی چاہی؛ لیکنیہ امام مالک کا اخلاص تھا کہ انھوں نے اس سے منع فرمادیا، بعض عباسی خلفاء نے امام مالک سے یہ شکایت بھی کی کہ ان کی کتاب میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور بنو ہاشم کے صحابہ کی مرویات کو وہ اہمیت نہیں دی گئی ہے، جو دوسرے صحابہ کی مرویات کو دی گئی ہے، امام مالکؒ نے اس پر معذرت کی کہ مجھے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ کے تلامذہ سے استفادہ کا موقع نہیں ملا۔

یہ ان کے علمی ذوق ہی کی بات تھی کہ ہارون رشید قاضی ابو یوسف سے حکومت کے مالیاتی قوانین کے موضوع پر تالیف کا طلب گار ہوتا ہے اور اسی خواہش کے نتیجہ میں ان کی معروف مقبول تالیف "کتاب الخراج" وجود میں آتی ہے اور یہ بھی خلفاء کی علم پروری ہی ہے کہ ان کے عہد میں بغداد ہر فن کے علما وماہرین کا مرکز وملجا بن جاتا ہے، اس حوصلہ افزائی اور علمی پزیرائی نے علما کو اپنے اپنے فن کو پایہ کمال تک پہنچانے کا حوصلہ دیا۔ دوسرا سبب عالم اسلام کی وسعت تھی، اب مسلمانوں کی حکومت یورپ میں اسپین سے لے کر ایشیاء میں مشرق بعید چین تک تھی، مختلف قوموں، مختلف تہذیبیں، مختلف لسانی گروہ اور مختلف صلاحیتوں کے لوگ عالم اسلام کے سایہ میں تھے اور ان میں بڑی تعداد نو مسلموں کی تھی؛ اس لیے لوگوں کی طرف سے سوالات کی کثرت تھی اور اس نسبت سے فقہی اجتہادات کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا؛ اسی عہد میں بڑے بلند پایہ، عالی ہمت اور اپنی ذہانت وفطانت کے اعتبار سے محیر العقول علما وفقہا پیدا ہوئے؛ کیونکہ اس عہد میں اسی درجہ کے اہلِ علم کی ضرورت تھی؛ پھر ان میں سے بعض بلند پایہ فقہا نے مستقل دبستانِ فقہ کی بنیاد رکھی اور ان سے علمی تاثر کی وجہ سے اہلِ علم کی ایک تعداد ان کے ساتھ ہوگئی اور اس نے ان کے علوم کی اشاعت وتدوین اور تائید وتقویت کے ذریعہ مستقل فقہی مدارس کو وجود بخشا، ان شخصیتوں میں سب سے ممتاز شخصیتیں ائمہ اربعہ کی ہیں۔

امام ابو حنیفہ اور فقہ حنفی: علم فقہ کی باضابطہ تدوین کا شرف سب سے پہلے جس شخصیت کو حاصل ہوا، وہ امام ابو حنیفہ کی ذات والاصفات ہے؛ اسی لیے امام شافعیؒ نے فرمایا: "مَنْ أَرَادَ الْفِقْهَ فَهُوَعِيَالٌ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ"۔ اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ، شافعیؒ فرماتے ہیں: "إنه اوّل من دون علم الشريعة ورتبها ابوابا ثم تبعه مالك ابن انس فى ترتيب الموطا ولم يسبق أباحنيفة احد"۔ امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں؛ جنھوں نے علم شریعت کی تدوین کی اور اسے باب وار مرتب کیا؛ پھر مؤطا کی ترتیب میں امام مالکؒ نے انھیں کی پیروی کی، امام ابو حنیفہؒ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔ اسی بات کو ابن حجر مکی فرماتے ہیں: "إِنَّهُ أَوَّلُ من دون عِلْم الْفِقْهَ وَرَتَّبَهُ أَبْوَابًا وَكُتُبًا عَلَى نَحْوِ مَاهُوَعَلَيْهِ الْيَوْمَ، وَتَبِعَهُ مَالِكٌ فِي

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

مُؤَطائه"۔ امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں؛ جنھوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور کتاب اور باب پر اس کو مرتب فرمایا، جیسا کہ آج موجود ہے اور امام مالک نے اپنی موطا میں انھیں کی اتباع کی ہے۔ پھر اہم بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ نے دوسرے فقہا کی طرح انفرادی طور پر اپنی آراء مرتب نہیں کی؛ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح شورائی انداز اختیار کیا؛ چنانچہ علامہ موفق فرماتے ہیں:"فوضع ابوحنیفة مذهبه شوریٰ بینهم لم یستمد بنفسه دونهم"۔ امام ابو حنیفہ نے اپنا مذہب شورائی رکھا، وہ شرکاءِ شوریٰ کو چھوڑ کر تنہا اپنی رائے مسلط نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ بعض اوقات ایک مسئلہ پر ایک ماہ یا اس سے زیادہ بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا؛

عمل اہل کوفہ یا عمل اہل عراق کی حقیقت: علامہ موفق ہی رقم طراز ہیں:"کان یلقی مسئلة مسئلةیقلبهم ویسمع ماعندهم ویقول ماعنده ویناظرهم شهراً اواکثر من ذلک حتییستقر احدا لأقوال فیها"۔ امام صاحب ایک ایک مسئلہ پیش کرتے، ان کے خیالات کا جائزہ لیتے اور ان کی بھی باتیں سنتے، اپنے خیالات پیش کرتے اور بعض اوقات ایک ماہ یا اس سے زیادہ تبادلہ خیال کا سلسلہ جاری رکھتے؛ یہاں تک کہ کوئی ایک قول متعین ہو جاتا۔ اس مجلس تدوین میں جو مسائل مرتب ہوئے اور جو زیرِ بحث آئے ان کی تعداد کیا تھی؟ اس سلسلہ میں تذکرہ نگاروں کے مختلف بیانات ملتے ہیں، علامہ خوارزمی نے تراسی ہزار کی تعداد لکھی ہے، جس میں اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے تھا اور باقی کا معاملات سے۔ بعض حضرات نے 6/ لاکھ اور بعضوں نے 12/ لاکھ سے بھی زیادہ بتائی ہے، پس اگر تراسی ہزار مسائل ہی اس مجلس تدوین کے مستنبط کیے ہوئے مانے جائیں تو یہ کیا کم ہے؟

عمل اہل کوفہ سے محدثین کا استدلال

1. محدثین میں سے امام دارمی جب اہل کوفہ کے استدلال کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں تو کہتے ہیں :
   1.1. وَقَالَ: أَهْلُ الْكُوفَةِ يَخْتَارُونَ الْأَوَّلَ
   1.2. »قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ: " أَقُولُ فِي الْقَضَاءِ بِقَوْلِ أَهْلِ الْكُوفَةِ «
   1.3. وَيَقُولُهُ أَهْلُ الْكُوفَةِ «
2. امام محمد بن اسماعیل البخاری کبھی تو اہل کوفہ کا نام لیتے ہیں اور کبھی بعض الناس سے اہلکوفہ کی تعبیر بیان کرتے ہیں
   2.1. اخْتَلَفَ فِيهَا أَهْلُ الْكُوفَةِ
   2.2. »وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ «
3. امام ابن ماجہ کبھی تو فقہائے اہل کوفہ کہتے ہیں، اور کبھی انکا نام لئے بغیر انکی رائے نقل کرتے ہیں
   3.1. »مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْكُوفَةِ «
   3.2. عَنْ مَسِّ الذَّكَرِ، فَقَالَ: إِنَّمَا هُوَ جزء مِنْكَ "
4. امام ابو داود اپنی سنن میں اہل کوفہ کی رائے یوں بیان کرتے ہیں، اور کبھی ان کے روایت کردہ احادیث سے استدلال فرماتے
   4.1. »فَقَالَ لِي شَيْخٌ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ «

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

4.2. فقال: "هل هو إلا مُضغَةٌ منه" أو: "بَضعَةٌ منه "

5. امام ترمذی اہل کوفہ کا استدلال سے انکا نام لے کر اور کبھی اہل العراق کا نام بیان کرتے ہیں

5.1. »قال: وقالت طائفةٌ مِن أهل العلم: يُعِيدُ في الجنابةِ، ولا يُعيد في الوضوء، وهو قول سفيانَ الثَّوْريِّ وبعضِ أهل الكوفة «

5.2. وقال بعضهم: إذا صلَّى الظهرَ خمسًا ولم يقعدْ في الرابعةِ مقدارَ التشهُّدِ، فسدتْ صلاتُه. وهو قولُ سفيانَ الثوريِّ، وبعض أهل الكوفةِ

اسی طرح اور بہت سارے محدثین مختلف علوم میں اہل عراق یا علمائے کوفہ کی آراء کو ان سے استدلال کرتے ہیں جو اہل کوفہ کی فقاہت وحدیث اور دیگر علوم میں سند ہونے کی دلیل ہے۔

خلاصہ بحث

فقہ اسلامی میں عمل اہل کوفہ ایک اہم مگر بھولا بسرا اصولی ماخذ ہے۔ یہ دراصل وہ فقہی سرمایہ ہے جو کوفہ کے علمی حلقوں میں صحابہ و تابعین کے تعامل سے مرتب ہوا۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس کو ایک مستند دلیل کے طور پر اختیار کیا اور اس کے ذریعے متعدد مسائل میں استنباط کیا۔ عمل اہل کوفہ کو عمل اہل مدینہ کے بالمقابل سمجھا جا سکتا ہے، مگر یہ محض ایک علاقائی رواج نہیں بلکہ نصوص اور صحابہ کرام کی اجتماعی فقہی بصیرت کا مظہر ہے۔ بعد کی صدیوں میں یہ اصول نظر انداز ہو گیا، حالانکہ اس کی بنیادیں مضبوط اور علمی ہیں۔ اس مقالے کا مقصد اس بھولی بسری کڑی کو دوبارہ اجاگر کرنا ہے تاکہ فقہ حنفی کی اصولی عمارت کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے اور معاصر قانونی مباحث میں اس سے رہنمائی حاصل ہو۔